محمد نسیم اختر ایم۔اے

# علّامہ زمخشری

## زمخشر

اقلیم خوارزم میں ندوار اور جرجانیہ کے درمیان ایک قصبہ[1] ہے جس کو زمخشر کہتے ہیں۔ابن خلکان نے اسے ایک بڑی بستی کہا ہے[2]۔

یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ زمخشر خوارزم شہر سے صرف چار میل کے فاصلہ پر واقع ایک بستی ہے۔

## خوارزم

اقلیم خوارزم بحیرۂ خوارزم کے کنارے دریا جیحون کے دہانے کے ارد گرد پھیلا ہوا ایک وسیع سرسبز علاقہ ہے جس کے چاروں طرف صحرا ہیں اور اس کے شمال مغرب میں ترکستان، جنوب میں اقلیم خراسان اور مشرق میں ماوراء النہر کا علاقہ ہے۔ اقلیم خوارزم کا صدر مقام شہر خوارزم تھا۔

اقلیم خوارزم میں سارا سال سردی رہتی ہے لیکن تین ماہ تو ایسے آتے ہیں کہ دریائے جیحون بالکل منجمد ہو جاتا ہے اور اس پر بے پہیہ گاڑیاں چلائی جاتی ہیں۔اس موسم میں پانی کے علاوہ بھی تمام (مائع) چیزیں جم جاتی ہیں[3]۔ یاقوت اس سردی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ پیتے وقت مشروب ہونٹوں پر جم جاتی ہیں[4]۔

## مذہبی حالت

قبل از اسلام خوارزم میں آتش پرستی کا دور دورہ تھا۔قتیبہؓ بن مسلم کے حملے کے بعد سے اہل خوارزم نے اسلام قبول کیا اور بڑی تندہی سے فرائض اسلام بجا لائے ان کی اس فرض شناسی کو ابن بطوطہ نے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ "خوارزم میں کوئی شخص بھی نماز ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔جب کوئی

---

[1] احسن التقاسیم ص: ۲۸۹ [2] وفیات الاعیان ج ۲: ص: ۵۱۳ [3] معجم البلدان: ج ۲: ص: ۳۹۸ [4] رحلۃ ص: ۳۲۰ [5] ابن اثیر ج ۴: ص: ۱۲۵

شخص غفلت سے جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتا تو امام مسجد میں عوام کے سامنے اسے کوڑے لگاتا اور تارک الصلوٰۃ کو پانچ دینار بطور تاوان بھی ادا کرنے پڑتے۔"

اہلِ خوارزم سنی المذہب اور امام ابوحنیفہؒ کے تابع تھے۔ مگر ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "جب میں خوارزم میں پہنچا تو اس وقت امیر خوارزم اہل سنت والجماعت سے تھے لیکن عوام کی اکثریت معتزلہ عقائد کی حامل تھی اور کسی کا خوارزمی ہونا اس کے معتزلی ہونے کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔[۶]

عرب جغرافیہ دان اہل خوارزم کی نیکی، صاف گوئی اور مہمان نوازی کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اہل خوارزم کی زبان منگول حملے کے کافی دیر بعد تک مذہبی ہی تھی بعد میں ترکی زبان کا خاتمہ ہوگیا۔

## سیاسی کیفیت

علامہ زمخشری ۴۶۷ء میں پیدا ہوئے جب کہ اسلامی مملکت چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں میں بٹ چکی تھی، جن میں دیلمی، غزنوی، سلجوقی، اتابکی اور ایوبی حکومتیں بہت مشہور تھیں۔ خلافتِ عباسیہ زوال پذیر ہوچکی تھی۔ بہ ظاہر تو یہ ریاستیں عباسی جھنڈے کے ماتحت تھیں اور سکہ و خطبہ عباسی خلیفہ ہی کے نام کا جاری تھا۔ مگر حقیقت میں یہ حکمران خودمختار تھے اور اپنی اپنی ریاست کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے اور خانہ جنگی بھی جاری تھی۔ ایک حریف دوسرے کو قتل کرکے یا شکست دے کر بغداد سے اپنی امارت کا پروانہ حاصل کر لیتا اور خلیفہ اسے خلعتِ فاخرہ سے نوازتا۔

اسی طرح خلفاء عباسیہ کے اختیارات دن بدن کم ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ ان کی حیثیت محض وظیفہ خوار کی سی ہوکر رہ گئی۔ تا آنکہ ساتویں صدی میں تاتاریوں نے خلافتِ عباسیہ کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیا۔

علامہ زمخشری کے تقریباً ۷۱ سالہ دورِ حیات میں خلافت بغداد پر یکے بعد دیگرے پانچ عباسی خلفاء متمکن ہوئے۔ ۴۶۷ھ میں مقتدی بامر اللہ خلیفہ تھا جو ۴۸۷ھ تک رہا۔ اس کا عہد سلاجقہ کا دورِ زریں تھا۔ ملک شاہ کی غربا پروری اور نظام الملک کی علم نوازی سے یہ دور ممتاز نظر آتا ہے۔ اس کے بعد ۴۸۷ھ

---

[۶] رحلۃ: ص ۲۴۱

میں مستظہر باللہ خلیفہ رہا جو ۵۱۲ھ تک رہا۔ اسی کے دور میں صلیبی جنگوں کی ابتداء ہوئی جو تقریباً سوا سو سال تک جاری رہیں۔ اس کے بعد ۵۱۲ھ میں مسترشد باللہ تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا اور ۵۲۹ھ میں وفات پاگیا۔ اس کی وفات کے بعد مقتفی لامر اللہ نے خلافت کی برائے نام ذمہ داری سنبھالی جس کے دور میں خوارزم میں باقاعدہ خود مختار ریاست کی بنیاد پڑی جس کا بانی اتسز بن محمدؒ الملقب بخوارزم شاہ المتوفی ۵۵۱ھ تھا۔[۵]

۴۵۵ھ میں ابو شجاع محمدؒ بن داؤد میکائیل بن سلجوق السلطان عضد الدولہ الپ ارسلان والی خوارزم ہوا تو اس کو ایک نہایت قابل و عالم وزیر مل گیا اور وہ نظام الملک ابو علی الحسن بن اسحاق الطوسی (المتوفی ۴۸۵ھ) تھا۔ جس کے نظم و نسق اور علم نوازی نے نظام الملک کے عہد کو سلاجقہ کا سنہری زمانہ بنا دیا۔

الپ ارسلان ۴۶۵ھ میں فوت ہوگیا تو اس کے بیٹے ابو الفتح ملک شاہ بن الپ ارسلان نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور وزارت کا عہدہ اس نے بھی نظام الملک ہی کو سونپا اور وہ اس عہدے پر ۴۸۵ھ میں قتل ہونے تک فائز رہے۔ نظام الملک کی وفات کے ایک ماہ تین دن بعد ملک شاہ بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ اور اس کے بیٹے السلطان ابو المظفر برکیارق بن ملک شاہ نے لڑ جھگڑ کر عنانِ حکومت ہاتھ میں لے لی۔ اس کے والی بنتے ہی خانہ جنگی کا دور شروع ہوگیا اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے گیارہ سلاطین سلاجقہ تخت شاہی پر متمکن ہوئے جن کو یہ یقین کبھی نہ ہوا تھا کہ آئندہ صبح کو آفتاب انھیں تخت پر دیکھے گا یا تختے پر۔

## علم و ادب کی ترقی

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عباسیوں کا دورِ زوال دنیائے علم و ادب کی ترقی کا دور تھا کیونکہ یہ خود مختار ریاستیں نہ صرف ملکی و سیاسی میدان میں رسہ کشی کر رہی تھیں بلکہ علمی و ادبی میدان میں بھی ایک دوسرے کی رقیب تھیں۔ جب علامہ زمخشری پیدا ہوئے تو اس وقت خوارزم پر ابو الفتح ملک شاہ بن الپ ارسلان حکومت کرتا تھا۔ ملک شاہ کا زمانہ سلجوقی دور کا عہدِ زریں شمار ہوتا ہے اور اس دور کو ممتاز کرنے کا سہرا نظام الملک الطوسی کے سر ہے۔ عموماً نظام الملک کو ہارون الرشید کے وزیر یحییٰ برمکی کے ہم پلہ سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم و ادب کی جو خدمت نظام الملک نے کی وہ برامکہ نہ کر پائے تھے۔

---

[۵] تاریخ آل سلجوق

نظام الملک بہت بڑا عالم وفاضل اور عربی وفارسی دونوں زبانوں کا انشا پرداز تھا۔ اس نے ایک کتاب "سیاست نامہ" لکھی جو سیاست اور مملکت پر ایک بہترین کتاب ہے۔ وہ بڑا علم پرور عالم نواز تھا۔ اس کے دربار میں علما کا جمگھٹا لگا رہتا۔ جن میں امام الحرمین شیخ ابو اسحق شیرازی، ابو القاسم قشیری اور امام ابو فارمدی خاص طور پر قابلِ ذکر تھے۔ نظام الملک علما کو بلند مراتب و اعلیٰ مناصب عطا کیا کرتا تھا تاکہ وہ فکرِ معاش سے مستغنی ہو کر علم و ادب کی خدمات میں مصروف رہیں۔ جس بستی میں کوئی بڑا عالم ہوتا وہیں ایک مدرسہ قائم کر دیتا۔ بغداد میں علما کے مرکز کی بنا پر مشہور مدرسہ نظامیہ قائم کیا جس میں شیخ ابو اسحٰق شیرازیؒ اور امام غزالیؒ جیسے بلند پایہ اساتذہ نے اپنے چشمہائے فیض سے شیدایان علم و ادب کو سیراب کیا۔

## نام و نسب

علامہ زمخشری ۲۷ رجب ۴۶۷ھ چہار شنبہ کو بمقام زمخشر پیدا ہوئے۔[۵۸] آپ کا نام محمود بن عمر۔ کنیت ابو القاسم۔ نسبت الخوارزمی اور الزمخشری اور لقب جار اللہ تھا۔ آپ کے نسب میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی اور الزرکلی نے محمود بن عمر بن محمد بن احمد بیان کیا ہے۔ مگر ابن خلکان نے "احمد" کی بجائے "عمر" لکھا ہے۔ اور السمعانی زمخشری کا ہمعصر ہے۔ آپ کا نسب نامہ "محمود بن عمر بن محمد بن محمد بن عمر" تحریر کرتا ہے۔ امام الجوزی، ابن اثیر اور فرید وجدی نے بھی اسی روایت کو اختیار کیا ہے اور اس کے ہمعصر ہونے کی بنا پر اسی کے بیان کردہ نسب نامے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

## خاندانی حالات

زمخشری نے ایک ایسے خاندان میں جنم لیا جو اپنی پاکبازی، علم اور پابندیٔ شرع کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ چنانچہ علامہ زمخشری اپنے خاندان کے تقویٰ کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

هاتِ التي شبهتَ ظلماً بشمسِ الضحى　　لو عارضتها لغطتها باشراقِ

أستغفرُ اللهَ اني قد نسبتُ بها　　ولم أكن لحمياها بذواقِ

ولم يذقها ابي كلا ولا أحدٌ　　من اسرتي فالتقاة الناس اعراقي

---

۵۸ وفیات جلد ۲۔ ص ۵۰۹

"شراب لاؤ جیسے تم ڈھالتے ہوتے چاشت کے سورج سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ تو ایسی ہے کہ اگر سورج اس کا سامنا کرے تو یہ اس کی چمک دمک سے ماند پڑ جائے گا۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں نے اپنا قصیدہ اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ جبکہ میں اس کے جوش مارتے ہوئے بلبلوں کو چکھنے کا بھی امیدوار نہیں ہوں۔ نہ ہی میرے باپ نے کبھی اسے چکھا تھا اور نہ ہی میرے خاندان میں سے کسی نے چکھا تمام لوگ میری اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔"

زمخشری کے والد بڑے عالم، عبادت گذار اور پرہیزگار اور عمدہ اخلاق والے تھے۔ مگر صاحب ثروت نہ تھے۔ بلکہ ایک تنگدست ادیب تھے۔ وہ اپنے زہد و تقوی کی بنا پر امام زمخشر ہوتے لیکن مؤیدالملک بن نظام الملک (المتوفی ۴۹۴ھ) کے زمانہ میں ان کو نظر بند کر دیا گیا[۹]۔ اور عطا کردہ جاگیر بھی ضبط کر لی گئی۔ جب اس نیک دل اور نیک سیرت عالم کو اپنے معصوم بچوں سے دور اور بے خبر قید خانے کی زندگی گذارنے پر مجبور کر دیا گیا تو ان کے گھر کے لوگوں میں سے سب سے بڑے محمود بن عمر الزمخشری تھے جو ابھی سن بلوغت کو ہی پہنچے تھے۔ یہ مختصر سا کنبہ پہلے ہی سے تنگدستی کے دن گذار رہا تھا اب اس کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو گئی۔ اگرچہ زمخشری اس وقت کم سن تھے اور باپ کی جدائی کی وجہ سے نڈھال ہو چکے تھے۔ تاہم خدا تعالی نے اپنی غیبی امداد سے ان کو حوصلہ اور صبر عطا کیا اور یہ آئین قدرت ہے کہ ایسے حالات میں جب کوئی بندہ اپنے رب پر توکل کرتا ہے تو قدرت اسے ہر قسم کے مصائب کو برداشت کرنے کی قوت و ہمت بخشتی ہے اور اسے صابر و متحمل انسان بنا دیتی ہے۔

زمخشری نے اپنی حالت زار و درماندگی کے پیش نظر مؤیدالملک (المتوفی ۴۹۴ھ) کے حضور میں اپنے باپ کی رہائی اور جاگیر کی بازیابی کی درخواست ایک دردناک پیرایہ میں پیش کر دی جس میں مندرجہ ذیل اشعار لکھے[۱۰]:

أكفاة مؤيد الملك الذي — خضع الزمان لعزه وجلاله

ارحم أبي لشبابه وبفضله — وارحمه للضعفاء من أطفاله

إرحم أسيراً لو رآه من العدى — أقساهم قلبا لرق لحاله

---

۹ منہج ص ۲۴

۱۰ منہج، ص ۲۵

ما أطول الليل الذی يفنيه فی سهر وأطول منه ليل عياله

يشكو قيوداً قصرت من خطوه وسلاسلاً حكمت بضيق مجاله

ما ضر مثلك لو عفا عنه فمن داب الكرام العفو عن أمثاله

هب أنه ممن أساء فما له غلب الزمانة منك سوء فعاله

"اے مستغنی کر دینے والے مؤید الملک جس کی عزت وجلال کے آگے زمانہ نگوں ہے۔

میرے باپ پر اس کی جوانی اور عالی قدری کی بنا پر رحم کر اور اس کے چھوٹے چھوٹے بے کس بچوں پر بھی رحم فرما۔

اس قیدی پر رحم کیجیے کہ اگر دشمنوں میں سے کوئی سنگ دل ترین آدمی بھی اسے دیکھے تو اس کا دل اس کی حالت پر پگھل جائے۔

کتنی لمبی ہے وہ رات جسے وہ آنکھوں میں کاٹ دیتا ہے اور اس سے بھی لمبی رات اس کے اہل وعیال کی ہوتی ہے۔

وہ ان زنجیروں کو برداشت کر رہا ہے جنھوں نے اس کے قدموں کو جکڑ رکھا ہے اور ان بیڑیوں کی اذیت کو سہہ رہا ہے جو اسے ذرا بھی حرکت نہیں کرنے دیتیں۔

اگر تو اسے معاف کر دے تو تیرے ایسے لوگوں کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ عالی مرتبت لوگوں کی تو شان یہی ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے درگذر کریں۔

یہ درست ہے کہ اس نے غلطی کی ہے لیکن یہ ایسی غلطی نہیں ہے جو آپ کی وسعتِ قلب پر غالب آسکتی ہو۔"

لیکن زمخشری کی یہ دل پگھلا دینے والی منت مؤید الملک پر بے اثر ثابت ہوئی اور کچھ عرصہ بعد زمخشری کے والد اسی نظر بندی میں قیدِ حیات سے نجات پا گئے۔ اس وقت تک زمخشری سنِ بلوغ کو پہنچ چکے تھے اور حصولِ علم کے لیے زمخشر سے باہر گئے تھے۔ باپ کی وفات کا علم ہوا تو خدا سے صبر کی دعا کی اور ایک نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا جس میں کہتے ہیں:

قد كنت اشكو فراقا قبل منقطعاً

وكيف لی بعده بالعيش منتفع

میں جدائی سے پہلے جدائی (عارضی جدائی) کا شکوہ کیا کرتا تھا۔ اب ان کی وفات کے بعد زندگی گذارنے کی راہ کیسے ہاتھ آئے گی۔

علامہ زمخشری نے اپنے والد کی جوانی، زہد و ورع، تقویٰ، خوفِ الٰہی اور اعلیٰ اخلاق پر بڑھاپے میں بھی آنسو بہاتے ہیں۔ اور اپنے خونِ جگر سے مرثیے لکھے ہیں جو محبت کرنے والے سعادت مند بیٹے کے صحیح آئینہ دار ہیں۔

زمخشری نے اپنے والد کی رہائی کے لیے جو درخواست دی تھی اس میں اپنی والدہ کا کہیں ذکر نہیں کیا، حالانکہ کنبے کے تمام افراد کا ذکر موجود ہے۔ اس سے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ زمخشری کی والدہ ان کے لڑکپن ہی میں وفات پا گئی تھیں۔

اپنی والدہ کے متعلق زمخشری بیان کرتے ہیں کہ وہ بہت شفیق تھیں اور رقیق القلب ایسی کہ انسان تو انسان کسی جانور کی بے بسی بھی دیکھنا گوارا نہ کرسکتی تھیں۔ اس سلسلہ میں زمخشری اپنے بچپن کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ انھوں[11] نے ایک چڑیا پکڑ کر اس کے پاؤں میں دھاگا باندھ دیا۔ چڑیا نے آزاد ہونے کی کوشش کی اور آخر کار زمخشری کے ہاتھ سے چھوٹ گئی لیکن دھاگہ بندھا ہونے کی وجہ سے اُڑ نہ سکی، اور کھینچا تانی میں چڑیا کا پاؤں ٹوٹ گیا۔ جب زمخشری کی والدہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو سخت ناراض اور غمگین ہوئیں، اور ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔

"قطع اللہ رجلک ۔۔۔۔ کما قطعت رجلہ" [12]

## قطعِ رجل کے متعلق روایات

ابنِ خلکان لکھتا ہے کہ کسی سفر میں زمخشری کا ایک پاؤں مفلوج ہو گیا تو لوگوں نے اسے کاٹ دیا۔ کیونکہ سردی سخت تھی اور جسم کے دوسرے اعضا کے متاثر ہونے کا خطرہ تھا۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ میں نے خوارزم میں ایسے لوگ کثرت سے دیکھے جن کے پاؤں مفلوج ہو گئے تو انھیں کاٹ دیا گیا[13]۔

قطع ید کے متعلق کئی روایات ملتی ہیں جن میں ایک روایت ہے وڈ (HAY WOOD) نے بیان کی ہے کہ زمخشری بچپن میں کسی پہاڑی سے گر پڑے اور پاؤں ٹوٹ گیا، جسے

---

[11] وفیات ج ۲ : ص ۵۱۰ [12] منہج ص : ۲۵ [13] وفیات : ج ۲ : ص : ۵۱۰

کاٹ دیا گیا[۱۴]۔ تیسری روایت یاقوت الحموی نے لکھی ہے کہ ان کے پاؤں میں ایک پھوڑا نکلا۔ جو اتنا پھیلا کہ پاؤں کاٹنے تک نوبت پہنچ گئی اور اسے کاٹ دیا گیا[۱۵]۔

مگر یاقوت الحموی ایک دوسری روایت بھی بیان کرتے ہیں جو زیادہ صحیح اور معتبر معلوم ہوتی ہے کہ جب علامہ زمخشری بغداد گئے تو ان کی ملاقات کو بہت سے علما جمع ہوتے جن میں علامہ الدامغانی بھی تھے۔ جنھوں نے زمخشری سے قطع رجل کا سبب پوچھا تو انھوں نے اپنے بچپن کا چڑیا والا واقعہ سنا کر اپنی والدہ کی بد دعا کا اثر بتایا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ "جب میں حصولِ علم کی عمر کو پہنچا تو بخارا کا سفر اختیار کیا لیکن راستے میں سواری سے گر پڑا اور پاؤں ٹوٹ گیا جسے میں نے کٹوا دیا[۱۶]۔"

زمخشری اس کٹے ہوئے پاؤں کی جگہ ایک لکڑی کا پاؤں استعمال کرتے تھے اور چلتے وقت اس کو چھپانے کے لیے اس پر ایک لمبا سا کپڑا ڈال لیتے۔ نیز وہ اپنے پاس ایک سند رکھا کرتے تھے جس میں ان لوگوں کی شہادت تھی جو ان کا پاؤں ٹوٹنے اور کاٹنے کے عینی شاہد تھے تاکہ کسی کو کہیں یہ شک نہ گذرے کہ ان کا پاؤں کسی جرم کی پاداش میں کاٹا گیا۔

## تعلیم اور اساتذہ

زمخشری کے والد نے جب یہ دیکھا کہ پاؤں کٹ جانے سے وہ لاچار ہو گئے تو کوئی ایسا ہنر سیکھنے کا مشورہ دیا جس کے لیے چلنے پھرنے کی مشقت نہ اٹھانی پڑے۔ چنانچہ درزی کا کام سیکھنے کو کہا گیا لیکن زمخشری نے حصولِ علم کے لیے کسی شہر میں جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اور زمخشری کے والد ان کو لے کر بخارا گئے جو ان دنوں علم و ادب کا مرکز تھا۔ الثعالبی نے اس وقت کے بخارا کی مندرجہ ذیل الفاظ میں تعریف کی ہے[۱۷]:

"بخاری منذ الدولة السامانية مثابة المجد و کعبة الملك و مجمع افراد الزمان و مطلع نجوم ادباء الارض و موسم فضلاء الدهر ..."

"دولتِ سامانیہ کے عہد سے بخارا شرافت و عظمت کا گہوارہ، بادشاہت کا ملجا، اپنے دور کے ممتاز افراد کا مرکز اور مطلع نجوم ادبائے عصر، جولانگاہِ فضلائے دہر تھا۔"

---

[۱۴] معجم الادبا: ج ۱۹ ص ۱۲۷۔ [۱۵] ... [۱۶] معجم الادبا: ج ۱۹: ص ۱۲۷، [۱۷] یتیمۃ ص ۲۷

زمخشری نے مختلف اساتذہ سے کسب فیض کیا جن میں زیادہ اہم یہ ہیں:

۱- ابو مضر محمود بن جریر الضبی الاصفہانی النحوی (المتوفی ۵۰۷ھ) (۲) ابو الخطاب نصر بن احمد بن عبداللہ بن البطر (المتوفی ۴۹۴ھ) (۳) ابو منصور نصر الحارثی - (۴) ابو سعد الشقانی - (۵) ابو منصور موہوب بن ابی طاہر احمد بن محمد بن الخضر الجوالیقی البغدادی - (المتوفی ۵۳۹ھ) (۶) شیخ السدید الخیاطی (۷) رکن الدین محمود الاصولی - (۸) ابو نصر الاصفہانی (۹) عبداللہ بن طلحہ الیابری (المتوفی ۵۱۸ھ) [18]

## محمود بن جریر الضبی

ان میں سب سے زیادہ مشفق اور زمخشری کی شخصیت کو اجاگر کرنے والے استاد ابو مضر محمود بن جریر الضبی تھے علم لغت و نحو میں یکتائے روزگار تھے اور اسی لیے ان کا لقب فرید العصر تھا ۔ ابو مضر الضبی عربی النسل تھے اور ان میں عربی عصبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔ یاقوت نے ان کی طرف صرف ایک کتاب "زاد الراکب" کو منسوب کیا ہے ۔ جو اشعار، حکایات اور واقعات پر مشتمل ہے ۔ زمخشری جب ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے تو ابو مضر الضبی کی نظر کامل نے اپنے گوہر مقصود کو پا لیا اور زمخشری میں اپنی روح علم پھونک دی ۔ چنانچہ علامہ زمخشری کی کتاب "المفصل" اور "اساس البلاغۃ" کے نحوی مباحث میں ابو مضر الضبی کے علم و اسلوب کے گہرے اثرات ملتے ہیں[19] ۔ ابو مضر الضبی نے زمخشری میں معتزلہ خیالات بھی راسخ کر دیے ۔ چنانچہ الجوینی نے لکھا ہے :

"ان الضبی کان شدید العصبیۃ للاعتزال و حمیۃ فی نشرہ واذاعتہ بخوارزم وهذہ الروح المتعصبۃ المتحمسۃ بثها فی نفس تلمیذہ الزمخشری وسنری أن الزمخشری نشأ متحمساً للاعتزال مذیعاً لتعالیمہ حتی لیروی عنہ انہ کان اذا قصد صاحباً واستأذن علیہ فی الدخول یقول لمن یأخذ لہ الاذن قل لہ ابو القاسم المعتزلی بالباب ......"

"ضبی سلسلۂ اعتزال میں شدید عصبیت کا حامل تھا اور خوارزم میں اس کی نشر و اشاعت کے لیے بڑا پرجوش با حمیت تھا اور یہی روح عصبیت اس نے اپنے شاگرد زمخشری کے دل پر مرتسم کر دی اور زمخشری نے اعتزال کی

---

[18] منہج : ص ۲۷ : ۲۸ [19] منہج ص ۲۸

اشاعت اور اس کی تعلیم کی ترویج میں پورا زور صرف کر دیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب وہ کسی کے یہاں جاتا اور اس سے اندر جانے کی اجازت طلب کرتا تو صاحب خانہ کے یہ دریافت کرنے پر کہ آپ کون ہیں؟ وہ جواب دیتا کہ ابو القاسم معتزلی دروازے پر کھڑا ہے"!

## نظام الملک تک رسائی

معتزلہ عقاید کی اشاعت کے لیے الضبی نے نظام الملک (المتوفی ۴۸۶ھ) سے تعلقات استوار کیے اور الضبی ہی وہ مضبوط وسیلہ تھا جس کے واسطے سے زمخشری نے بھی نظام الملک تک رسائی حاصل کی۔ جیسا کہ زمخشری نے اپنے اشعار میں کہا ہے [۳۰]

ثنائی لصدر الملک ما عشت دائم      وان دعائی مثله فی دوامه

جعلتهما وردی نهاری ولیلتی      کفعل التقی فی صومه وقیامه

وکان فرید العصر عبد امقربا      وما انا الا هضبة من شمامه

جب تک میں زندہ ہوں صدر الملک کا ثناخواں اور ہمیشہ اس کا دعاگو رہوں گا۔

اسے میں نے روزے اور نوافل کی طرح شب و روز اپنا وظیفہ بنالیا ہے۔

فرید العصر (الضبی) مقبول بارگاہ الٰہی تھے اور میں ان کی بلندیوں کا ایک حقیر سا پرتو ہوں۔

ابو مضر الضبی اپنے شاگرد زمخشری کو بحیثیت معتزلی داعی، اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اور اسی لیے انھوں نے زمخشری کو نظام الملک سے وابستہ کر دیا۔ کیونکہ نظام الملک علما نواز تھا اور انھیں بلند مراتب و مناصب عطا کرتا تھا۔ چنانچہ زمخشری نے بھی اسی امید پر نظام الملک کی تعریف میں قصیدہ لکھا۔

الیک ربیب الملک اشکر انعما      یمناك هطالاعلی ربابها

ودائمة منی لك الدعوة التی      یجوب السماوات العلی مستجابها

نظام الملک کا پروردہ ان نعمتوں کے لیے شکر گذار ہے جو اس پر مسلسل کی جاتی رہیں

اور وہ اس کے لیے ہمیشہ وہ دعائیں کرتا رہا جو آسمانوں کی بلندی پر درجۂ قبولیت حاصل کر چکی ہیں

اور اسی جاہ و حشم کی خاطر انھوں نے ملک شاہ سلجوقی کے امرا سے بھی تعلقات پیدا کیے اور ان کی

---

[۳۰] منبع ص ۲۸

مدح سرائی کی لیکن یہ دونوں زمخشری کو کسی منصب پر فائز نہ کر سکے۔ حالانکہ اس وقت بلند مراتب پر فائز لوگوں سے زمخشری علم و اخلاق میں کہیں بلند تھے۔ اس سے وہ بہت رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوئے۔ چنانچہ اپنے تأسف کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

خلیلی ھل تجدی علی فضائلی إذا انا لم ارفع علی کل جاھل
من الخبن ذونقص یصیب منازلاً اخو الفضل محقوق تبلک الفضائل
ومن لی بحقی بعد ما وفرت علی ارازلھا الدنیا حقوق الاماثل
کذا الدھر کم شوھاء فی الحلی جیدھا وکم جید حسناء المقلد عاطل

اے دوستو! اگر میں جہالت کے حصار سے نکل کر اونچی پرواز نہ کر سکوں تو کیا میرے فضائل مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے۔

یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ ناقص تو مرتبے حاصل کر لے اور صاحب فضیلت کا حق اس کی فضیلتوں ہی کے سبب مارا جائے۔

میرے حق کا کون ذمہ دار ہے جبکہ دنیا ادنیٰ ترین لوگوں پر اصحاب فضیلت کے حقوق نچھاور کرے زمانہ ہی ایسا ہے کہ کتنی مکروہ و قبیح صورتیں ہیں جن کی گردنیں زیوروں سے آراستہ ہیں اور کتنے حسینوں کی گردنیں زیوروں سے محروم ہیں۔

## ترکِ وطن

غمِ روزگار نے زمخشری کو مشکلات میں مبتلا کیا تو انھوں نے ترکِ وطن کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اپنے اشعار میں اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:

احبُّ بلاد اللہ شرقاً ومغرباً الیّ التی فیھا غذیت ولیدا
ولکن تواسی بالکرامۃ غیرھا وھذی اری فیھا الھوان عتیدا
سأرحل عنھا ثم لست براجع واضرب مرمی فی البلاد بعیدا

مشرق و مغرب میں اللہ کے جو ملک پھیلے ہوئے ہیں ان میں مجھے وہی جگہ پسند ہے جہاں میں نے بچپن گذارا تھا۔

لیکن میری عزت و تکریم کا سامان تو دوسری سرزمینیں ہی کرتی ہیں اور یہ ایسی سرزمین ہے جہاں میرے

لیے ذلت ہی ذلت ہے۔

جلد ہی میں اس سرزمین سے کوچ کر جاؤں گا پھر واپس نہ آؤں گا اور اپنا مسکن کسی دُور دراز شہر کو بنا لوں گا۔

زمخشری بخارا سے خراسان چلے گئے۔ جہاں والیٔ خراسان مجیر الدولہ ابوالفتح علی بن الحسین بن الاردستانی کے حضور اپنی نحو کی کتاب "الانموذج" اور "شرح ابیات الکتاب" پیش کیں اور مدحیہ قصیدہ بھی لکھا۔ اسی طرح دوسرے امراء حکومت کی بھی مدح سرائی کی لیکن کوئی بھی زمخشری کے دکھ درد کا مداوا نہ کرسکا۔ اور جب حصولِ منصب کی توقعات پوری نہ ہوئیں تو زمخشری اصفہان چلے گئے[۱۲] اور ابوالفتح ملک شاہ سلجوقی کی بھی مدح سرائی کی۔

## مکہ معظمہ میں قیام

۵۱۲ھ میں علامہ زمخشری اصفہان ہی میں بیمار ہو گئے۔ اس بیماری کا نام الجوینی نے "المنہکہ" دیا ہے ممکن ہے یہ نام اس بیماری کی شدت کی وجہ سے رکھا گیا ہو۔ اس بیماری میں زمخشری نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کی اور یہ عہد کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ انھیں شفا دیں تو وہ علمی کاموں میں مشغول ہو جائیں گے نیز دنیاوی حرص و طمع سے چھٹکارا پانے کی بھی توفیق مانگی۔ رو بصحت ہونے پر مکہ معظمہ کا سفر کیا اور راستے میں یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

سیری تماضر حیث شئت دحلتی ۔۔۔ أنی إلی بطحاء مکة سائر

والله اکبر رحمة والله أکـ ۔۔۔ ـثر نعمة وهو الکریم القادر

ان هاجر الانسان عن أوطانه ۔۔۔ فالله اولی من الیه یهاجر

خربت هذا العمر غیر بقیه ۔۔۔ فلعلنی لك یا بقیة عامر

حسبی جوار الله حسبی وحده ۔۔۔ عن کل مفخرة بعد الفاخر

جہاں چاہے سفر کر لیکن لوگوں کو بتا کہ میں مکہ کی پتھریلی وادیوں کا مسافر ہوں۔

اللہ ہی سب سے بڑا رحیم ہے اور اسی کی نعمتیں سب سے زیادہ ہیں۔ اور وہی کریم و قادر ہے۔

اگر انسان اپنے وطن کو چھوڑے بھی تو مناسب یہی ہے کہ اللہ ہی کے لیے چھوڑے۔

---

[۱۲] تاریخ آل سلجوق ص ۵۷

"میں نے ساری عمر کو برباد کر ڈالا سوائے اس حصے کے جو باقی ہے اور اسے بچی کھچی عمر شاید میں تجھے آباد کر سکوں۔

ہر وہ چیز جسے کوئی قابلِ فخر قرار دیتا ہے۔ میں اس کے مقابلے میں خدا کی ہمسائیگی کو اپنے لیے کافی سمجھتا ہوں۔

مکہ معظمہ میں زمخشری نے دو سال قیام کیا جس کے دوران میں دوسرے علمی مشاغل کے ساتھ ساتھ انھوں نے عبداللہ بن طلحہ الیابری (المتوفی ۵۱۸ ) سے "الکتاب" پڑھی اور مختلف جگہوں کی سیر و سیاحت کرتے رہے۔ یمن بھی گئے اور آل ندیر کی مدح بھی کی۔[۲۲] کچھ عرصہ کے بعد زمخشری کو وطن کی یاد ستانے لگی اور وہ خوارزم روانہ ہو گئے۔ مگر مکہ معظمہ چھوڑنے کا نہایت رنج تھا۔ چنانچہ اپنے ایک قصیدہ میں لکھتے ہیں:

بکاء علی أیام مکۃ ان لی — الیھا حنین الیب ناقۃ البکر

وقلت الا این الحطیم و زمزم — ومالی محجوزا عن الرکن والحجر

"میں مکہ میں گذرے ہوئے دنوں پر روتا ہوں اور ان کا اسی طرح اشتیاق مند ہوں جس طرح سن رسیدہ اونٹنی اپنے جوان بچے کو گم کر کے اس کی مشتاق ہوتی ہے۔

میں اپنے آپ سے کہتا ہوں ہائے! کہاں ہے حطیم اور کہاں ہے زمزم۔ اور یہ مجھ پر کیا ستم ہوا کہ میں رکن اور حجر اسود سے دور ہو گیا۔"

## خوارزم کو واپسی

جب علامہ زمخشری خوارزم پہنچے تو اس وقت محمد بن انوشتگین ملقب بہ خوارزم شاہ (المتوفی ۵۲۱ھ) والی خوارزم تھا جو اہل علم و ادب کا بڑا قدردان اور علما کا مرجع تھا۔ زمخشری اس کی یہ خوبیاں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

وقد خدمت بشیئین استوی بھما — امر الملوک ودان السیف والقلم

ای الملوک تلاقت فی مجالسہ — غرائب العلم والآداب والحکم

"تجھے ایسی دو چیزیں میسر ہو گئی ہیں جن کی بدولت بادشاہوں کا فرمان اور شمشیر و قلم ایک ہی سطح پر آ گئے ہیں۔

---

۵۲۲ منہج ص ۳۷

(تیرے سوا) ایسا کون سا بادشاہ ہے جس کی مجلسوں میں علم و ادب اور حکمت و دانش کے بہترین سامان جمع ہو گئے ہوں۔

خوارزم شاہ نے زمخشری کی بہت قدر کی اور انعام و اکرام سے نوازا۔ ۵۲۱ھ میں خوارزم شاہ کے وفات پانے پر اس کا بیٹا بہاء الدین علاء الدولہ ابو المظفر آتسز بن خوارزم شاہ (المتوفی ۵۵۱ھ) والی خوارزم ہوا یہ زمخشری کا بڑا مدح تھا۔ اس نے حکم دیا کہ ان کی کتاب "مقدمۃ الادب" کو اس کے کتب خانے کے لیے لکھا جائے۔ علامہ زمخشری نے یہ کتاب "آتسز" کے نام منسوب کر دی۔ "آتسز" کے دربار میں زمخشری کی عزت پہلے سے بھی زیادہ ہونے لگی تھی لیکن وہ اس وقت دنیا سے بیزار ہو چکے تھے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر خدمتِ علم کے لیے وقف کر چکے تھے۔[۴۳]

## مکہ معظمہ کا دوسرا سفر

۵۲۶ھ میں زمخشری دوبارہ مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ اس دفعہ شام کا راستہ اختیار کیا۔ دمشق پہنچ کر والی شام تاج الملک (المتوفی ۵۲۶ھ) کی مدح میں قصیدہ پڑھا اور کچھ دن وہاں قیام کیا۔ اسی سال تاج الملک کی وفات پر اس کا بیٹا شمس الملک والی ہوا تو اس کی تعریف میں بھی قصیدہ لکھا اور بہت انعام و اکرام پایا۔ پھر اپنا سفر شروع کر دیا اور راستے میں کئی مقامات کی سیر کرتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے جہاں تین سال قیام فرمایا۔ جس کے دوران کعبہ کے نزدیک بیٹھ کر اپنی معرکۃ آلارا کتاب "الکشاف" لکھی۔

علامہ زمخشری کرم بن وہاس سے ملے اور ان کو اپنا ہم خیال پایا اور ان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا۔ ابن وہاس کے کہنے پر زمخشری نے اپنی منظومات کو دیوان الادب کی شکل میں مرتب کیا اور انھیں کے مشورے سے تفسیر "الکشاف" تصنیف کی۔

## بغداد میں قیام

وطن کی یاد نے زمخشری کو پھر بے قرار کر دیا اور وہ مکہ سے روانہ ہو کر مختلف جگہوں کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے ۵۳۳ھ میں بغداد پہنچے۔ جہاں ان کی ملاقات ابو منصور الجوالیقی البغدادی (المتوفی ۵۳۹ھ) سے ہوئی جو فنِ ادب کے امام تھے اور خطیب ابو زکریا التبریزی کے مشہور شاگرد

---

[۴۳] منہج ص ۳۹

تھے۔ انھوں نے بہت سی مفید کتب تصنیف کیں جن میں "شرح ادب الکاتب" اور "تتمہ درۃ الغواص" مشہور ہیں۔ ابو منصور علم لغت و نحو میں صاحبِ کمال تھے اور لغوی و نحوی مسائل کا اچھوتا حل پیش کرتے۔ چنانچہ علامہ زمخشری ان سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے اور بہت سی کتب لغت کا مطالعہ کیا۔ قیامِ بغداد کے دوران ابو الخطاب نصر بن احمد، ابو المنصور الحارثی اور ابو سعد الشقانی سے حدیث سنی اور نصر بن البطر سے بغداد میں مناظرے بھی کیے۔ یہیں کتاب "الفائق الحدیث" لکھی جس میں حدیث کے مطالب کے ساتھ نادر و غریب الفاظ کے متعلق بحث کرتے جاتے ہیں۔

## وفات

زمخشری بغداد سے جرجانیہ گئے اور وہاں لیلۃ عرفۃ ۵۳۸ھ میں وفات پائی۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ علامہ زمخشری کی قبر خوارزم شہر کے باہر ہے جس پر ایک گنبد بنا ہوا ہے۔ کسی نے علامہ الزمخشری کا مرثیہ ان الفاظ میں کہا ہے:[۲۴]

فارض مکۃ تذری الدمع مقلتھا　　حزنا لفرقۃ جار اللہ محمود

سرزمینِ مکہ کی آنکھیں جار اللہ محمود کی فرقت کے غم میں اشک بہا رہی ہیں۔

## علمی و ادبی خدمات

علامہ زمخشری نے اپنی زندگی کو علم کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ہر لمحہ علم و ادب کی تحصیل اور خدمت میں بسر کرتے تھے۔ وہ اپنی تصانیف اور شاگردوں کو بہترین اولاد تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:[۲۵]

وحسبی تصانیفی وحسبی رواتھا　　بنین بھم سیقت الی مطالبی

میرے لیے میری تصانیف کافی ہیں اور ان کے روایت کرنے والے بیٹوں کی حیثیت سے کفایت کرتے ہیں جن کے ذریعے میری آرزوئیں پوری ہوتی ہیں۔

زمخشری نے مختلف علوم و فنون مثلاً تفسیر، حدیث، لغت، نحو، ادب، عروض، امثال، جغرافیہ اور مروجہ علوم عربیہ کی تحصیل کی اور کتب تصنیف کیں جو بہت مشہور ہوئیں۔

---

۲۴ھ وفیات ج ۲، ص ۵۱۳　　۲۵ھ منہج: ص ۴۳

## الکشاف

علم تفسیر میں زمخشری نے معرکۃ الآراء تفسیر "الکشاف عن حقایق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل۔ لکھی۔ اس میں انھوں نے معتزلہ عقائد کے تحت قرآن مجید کی تفسیر کی ہے۔

معتزلہ کو مناظرہ میں خصوصیت حاصل تھی اور ان کے ممتاز متکلمین زیادہ تر خطیب اور مبلغ ہوا کرتے تھے جو اپنی لسانی قوت اور علم الکلام سے حریف کو پچھاڑ دیتے تھے۔ چنانچہ زمخشری کے ہاں بھی معتزلہ کا رنگ خوب راسخ تھا اس تفسیر کے نام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی اصل غرض وغایت یہ تھی کہ اعتزالی نقطۂ نظر سے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جائے۔ ابتدا میں سوالاً جواباً طریقہ اختیار کیا لیکن یہ کچھ وسعت طلب تھا لہٰذا اسے چھوڑ کر مختصر طریقہ اختیار کیا۔ تاہم علم کلام کے اکثر مسائل بڑی خوبی سے حل کرتے گئے اور قرآن مجید کے نظم ونسق سے فصاحت و بلاغت کے ایسے نکات نکالے جن سے متاثر ہو کر علامہ ابن خلدون نے اس کتاب کو علم کلام کی بنیاد قرار دیا ہے۔

علامہ زمخشری کی یہ تفسیر معتزلہ کے ارکان خمسہ التوحید۔ العدل، الوعد والوعید، المنزلۃ بین المنزلتین اور الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے ارد گرد گھومتی ہے۔ اسی لیے علامہ ابن خلدون اور دوسرے علما اہل سنت نے اس کا مطالعہ اس وقت تک ممنوع قرار دیا ہے جب تک اہل سنت کے عقائد میں کوئی راسخ نہ ہو[۲۶] اور وہ علم کلام کا خوب عالم نہ ہو۔ لیکن ساتھ ہی ان لوگوں کو اس کے مطالعہ کا مشورہ بھی دیا ہے جو مذکورہ بالا خوبیوں کے حامل ہوں۔ زمخشری نے خود الکشاف کی یوں مدح کی ہے[۲۷]

ان التفاسیر فی الدنیا بلا عدد     ولیس فیھا لعمری مثل کشافی
ان کنت تبغی الھدی فالزم قراءتہ     فالجھل کالداء والکشاف کالشافی

دنیا میں تفسیریں تو بے شمار ہیں۔ اپنی زندگی کی قسم میری کشاف جیسی کوئی تفسیر نہیں۔
اگر تو ہدایت کا جویا ہے تو اس کی قرأت کا التزام کر۔ کیونکہ جہالت بیماری کی طرح ہے اور کشاف شافی ہے۔

---

۲۶ مقدمہ: ص ۵۶۲     ۲۷ معجم الادباء ج ۹: ص ۱۲۹

## اساس البلاغۃ

علامہ زمخشری لغت کے ان علماء متقدمین کی نہج پر چلے جنھوں نے عربوں سے ان کی لغت کو سنا۔ سرزمین عرب کے مختلف علاقوں اور صحراؤں میں گھومتے رہے اور انھیں کے سماع کے مطابق تفسیر و تشریح کی۔ زمخشری نے جو یہ طریقہ اختیار کیا اس سے ان کا شوق سفر و سیاحت بھی پورا ہوتا رہا۔ لیکن ایک معاملہ میں زمخشری نے متقدمین سے اختلاف کیا ہے کہ متقدمین نے استشہاد کو جریر تک قائم رکھا تھا۔ مگر انھوں نے حدود زمانہ استشہاد کو ابو تمام تک وسیع کر دیا۔ زمخشری نے کئی لغت تالیف کیں جن کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے اور ان میں اہم ترین اساس البلاغۃ ہے۔

زمخشری کی دوسری لغت کی کتابوں پر اساس البلاغۃ کو اس بنا پر فوقیت حاصل ہے کہ اس کی ترتیب موجودہ زمانہ کے اسلوب ترتیب کی طرح حروف تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے اور فنی اعتبار سے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں زمخشری نے ایک لفظ کے صرف معنی ہی نہیں دیے بلکہ اس لفظ کا فصیح و بلیغ جملوں میں استعمال بھی واضح کرتے ہوئے شعر سے بھی استشہاد کیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب شواہد و استعارات کی مکمل معجم ہے جو انشا پردازوں اور کاتبوں کے لیے نہایت مفید ہے۔ زمخشری نے لفظ کی تہ تک پہنچ کر کلام میں اس کا مقام متعین کیا ہے اور تعبیر میں اس لفظ کو یوں استعمال کیا ہے کہ اس کے معنی پورے طور پر واضح ہو جاتے ہیں۔

جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اپنے اسلوب بیان کی وجہ سے لاثانی ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کتاب اس کے پایہ کی نہیں ہے[۲۸]۔ علامہ ابن خلدون بھی اسے لغت کی کتابوں میں سے بہترین کتاب تصور کرتے ہیں[۲۹]۔

اساس البلاغۃ کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ الجریریہ میں موجود ہے جسے مصطفیٰ الحلولی نے تحریر کیا اور یہ ایک ہی جلد میں ہے۔ اساس البلاغۃ کا ایک مختصر مخطوطہ "الجزء الاول من کتاب مختصر الاساس" برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ہے۔ ۱۸۹۵ء میں یہ کتاب دو جلدوں میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔ مولوی سید عابد حسین نے اس کی تصحیح کی لیکن چھپائی بہت خراب ہے اور کاغذ گھٹیا درجہ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو تیسری مرتبہ مطبع دار الکتب المصریہ بالقاہرہ سے ۱۹۲۲ء

---

[۲۸] تاریخ الادب: ج ۳، ص ۴۹ [۲۹] مقدمہ: ص ۱۵۶۲

میں نہایت عمدہ کاغذ اور اعلیٰ طباعت کے ساتھ شائع کیا گیا۔ یہ نسخہ پہلے دونوں نسخوں سے صحت و چھپائی کے لحاظ سے بہتر ہے اور اسی کا میں نے اشاریہ تیار کیا ہے۔

## دیگر تصانیف

ان کتابوں کے علاوہ زمخشری نے پچاس سے زیادہ کتب تصنیف کیں جن کو حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں متعارف کرایا ہے۔ بروکلمان نے بھی ان کتب کی فہرست دی ہے جن میں سے کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ۔ چند ایک نام یہ ہیں:

۱۔ الفائق فی غریب الحدیث۔ (۲) کتاب اسماء الرواۃ (فی الحدیث)۔ (۳) نکت الاعراب فی غریب الاعراب۔ فی غریب اعراب القرآن المجید۔ (۴) المفصل فی النحو۔ (۵) حاشیہ علی المفصل (۶) الانموذج فی النحو۔ (۷) مختصر الموافقۃ بین اہل البیت و الصحابۃ۔ (۸) الکلم النوابغ فی المواعظ (۹) اطواق الذہب فی المواعظ۔ (۱۰) المقامات فی المواعظ۔ (۱۱) الرائض فی الفرائض (فی الفقہ)۔ (۱۲) المنہاج فی الاصول (الفقہ)۔ (۱۳) کتاب عقل الکل۔ (۱۴) صمیم العربیہ (فی اللغۃ) (۱۵) جواہر اللغۃ (فی الفقہ)۔ (۱۶) مقدمۃ الادب (فی الفقہ)۔ (۱۷) کتاب الاجناس (فی الفقہ) (۱۸) سوائر الامثال۔ (۱۹) المستقصی فی الامثال۔ (۲۰) شرح المفصل۔ (۲۱) اعجب العجب فی شرح لامیۃ العرب۔ (۲۲) شرح کتاب سیبویہ۔ (۲۳) شقائق النعمان فی حقائق النعمان فی مناقب امام ابی حنیفہؒ۔ (۲۴) ربیع الابرار فی الادب والمحاضرات۔ (۲۵) المفرد والمرکب فی العربیہ۔ (۲۶) ہدایۃ النحو خلاصہ تقویم اللسان، (۲۷) شافی . . . . . . فی کلام الشافعی۔ (۲۸) القسطاس (فی العروض مخطوطہ)۔ (۲۹) دیوان شعر (مخطوطہ معجم الادباء ج ۱۹، ص ۱۳۴۔ (۳۰) کتاب الجبال و الامکنۃ والمیاہ (کشف الظنون)

## تلامذہ

زمخشری کے تلامذہ میں بلند پایہ کے علما بھی ہوئے جن میں سے مندرجہ ذیل بہت مشہور ہوتے ہیں:

۱۔ محمد بن ابی القاسم بایجوک البقالی الخوارزمی (المتوفی ۵۶۲ھ)

یہ بہت نیک طینت اور بڑے حافظہ کے مالک تھے۔ نحو کی کتاب "الادمی" حفظ کرتے

پر انھیں "الادمی" کا لقب دیا گیا - ان کی مندرجہ ذیل تصانیف بہت مشہور ہیں :

۱ - مفتاح التنزیل - (۲) تقویم اللسان فی النحو - (۳) تفسیر القرآن المجید (۴) الاعجاز القرآن المجید - (۵) شرح الاسماء الحسنیٰ -

۲ - علی بن محمد بن علی بن احمد العمرانی الخوارزمی (المتوفی ۵۶۰ ھ)

یہ ادبی اسرار و رموز پر حاوی اور کلام عرب کی باریکیوں سے خوب واقف تھے - ان کی مندرجہ ذیل کتب قابلِ ذکر ہیں :

۱ - المواضع والبلدان - (۲) کتاب فی تفسیر القرآن المجید - (۳) کتاب اشتقاق الاسماء -

۳ - علی بن عیسیٰ بن حمزہ بن وہاس (المتوفی ۵۵۰ھ)

علامہ زمخشری نے ابن وہاس کی تعریف میں شعر بھی کہے ہیں - آپ ابن وہاس کی عالی ظرفی بلند حوصلگی اور کریم النفسی سے بے حد متاثر تھے -

---


# اسلام کا معاشی نظریہ

(از مولانا مظہر الدین صدیقی)

عہد جدید کے معاشی مسائل پر اسلام کے ان بنیادی اور دائمی اصولوں کا اطلاق جن پر عہد رسالت کے تفصیلی اور فروعی احکام مبنی تھے -

صفحات ۱۰۹ - قیمت : ۵ء۷ روپے

ملنے کا پتہ : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ - کلب روڈ - لاہور